احکامِ بیع

جناب پروفیسر ڈاکٹر طاہر منصوری

معاہدے میں جائز اور ناجائز شرطیں

ناجائز شرطیں

حنفی نقطۂ نظر

بیع کے صحیح ہونے کی (شرائط میں سے) ایک شرط یہ ہے کہ وہ فاسد شرائط سے خالی ہو۔

اس کی متعدد انواع ہیں:

۱۔ کوئی ایسی شرط جس کا وجود اور حصول غیر یقینی اور مبہم ہو، مثال کے طور پر ایک شخص کوئی اونٹنی اس شرط پر خریدے کہ وہ حاملہ ہے۔ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ امر مشروط میں وجود و عدم دونوں کا احتمال موجود ہے اور فی الحال بیع کو اس پر موقوف کرنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ پیٹ کا بڑھا ہوا ہونا اور اس میں حرکت ہونا کسی بیماری کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے، (یعنی یہ حمل کی لازمی نشانی نہیں ہے)، لہذا یہ ایک غیر یقینی امر ہے جو موجب فساد بیع ہے۔ اس سلسلے میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر (غیر یقینیت) والی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اس شے سے روکا گیا ہے یا اس کی بیع فاسد ہوتی ہے۔ حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ ایسی شرط جائز ہے، کیونکہ حاملہ ہونے کی شرط ایسی ہی شرط ہے جیسے غلام کے مکاتب ہونے یا درزی ہونے کی شرط، جس طرح ایسی شرط درست ہے، تو حاملہ ہونے کی شرط بھی درست ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۶۸)

۲۔ کوئی ایسی شرط جو معاہدے کے مقصد اور غرض و غایت کے منافی ہو اور اس سے بائع یا مشتری یا مبیع کو کوئی اضافی فائدہ پہنچتا ہو، اگر اس (مؤخر الذکر) کا تعلق بنی نوع انسان سے ہو، نیز وہ شرط معاہدے سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اور نہ لوگوں کے عرف و تعامل کے موافق ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے اس شرط پر اپنا مکان فروخت کیا کہ بائع خود اس میں ایک ماہ تک رہے گا، اس مدت کے بعد وہ اسے خریدار کو سپرد کرے گا، یا کوئی زمین اس شرط پر فروخت کرے کہ بیچنے والا خود ایک

سال تک اس زمین کو کاشت کرے گا، یا کوئی سواری اس شرط پر فروخت کی کہ ایک ماہ تک خود بائع اس سواری کو استعمال کرے گا، یا کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع ایک ہفتہ تک اسے خود پہنے گا، یا کوئی چیز اس شرط پر بیچے کہ خریدار اسے (بائع کو) کچھ رقم قرض دے، یا اس کو کوئی چیز ہبہ کرے یا اس سے اپنی بیٹی بیاہ دے، یا اس سے فلاں چیز خریدے، یا کسی شخص نے کوئی کپڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع اسے قمیص سی کر دے گا، گندم اس شرط پر خریدی کہ بائع اس کا آٹا پیس کر دے گا۔

ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، کیونکہ بیع میں (ایک فریق کے لیے) کوئی مشروط منفعت ربا کی مانند ہوتی ہے۔ اس کے ربا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا اضافہ ہے جو عوض سے خالی ہے، اور یہی ربا ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۶۹)

جہاں تک ایسی شرط کا تعلق ہے جس کا معاہدہ متقاضی ہو تو اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ وہ مبیع کا مالک بن جائے گا، یا کوئی چیز اس شرط پر بیچی کہ وہ قیمت کا مالک بن جائے گا، یا اس نے اس شرط پر کوئی چیز خریدی کہ بائع فروخت شدہ سامان اس کے سپرد کر دے گا، یا لونڈی اس شرط پر خریدی کہ وہ اس کی (خریدار کی) خدمت کرے گی، یا سواری کا جانور اس شرط پر خریدا کہ وہ (خریدار) اس پر سواری کرے گا، یا کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ اسے پہنے گا، یا خوشے میں گندم خریدی اور بائع کو اس کی کٹائی کا ذمہ دار ٹھہرایا تو بیع ان تمام صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ مذکورہ امور شرط کا ذکر کیے بغیر بھی بیع کے تقاضوں میں سے ہیں۔ ان امور کا بطور شرط ذکر کرنا گویا معاہدے کے تقاضوں کو مستحکم کرنا ہے، چنانچہ ان کے ذکر سے بیع میں فساد واقع نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۷۱)

۳۔ شرط اگر ایسی ہو کہ اس سے کسی کو بھی فائدہ نہ پہنچتا ہو، تو ایسی شرط باطل ہے اور بیع درست ہو گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سواری کا جانور یا کپڑا اس شرط پر خریدے کہ وہ (اس کا مالک) اسے آگے فروخت نہیں کرے گا۔ شرط کے باطل ہونے اور بیع کے برقرار رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس شرط کا پابند نہیں ہے، کیونکہ اس کا فائدہ کسی کو نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک لغو اور بے معنی شرط ہے، لہٰذا بیع (ایسی شرط کے باوجود) برقرار رہے گی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع باطل ہوگی۔

ماجاز لعذر بطل بزواله ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

ان کے نزدیک اس شرط سے خریدار کو نقصان پہنچتا ہے، کیونکہ اس سے اسے اپنی ملک میں تصرف کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک ایسی شرط جس میں ضرر ہو، ایسی شرط کی مانند ہے جس میں ایک فریق کا فائدہ ہو، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں قابل لحاظ عین شرط نہیں، بلکہ اس کا مطالبہ ہے اور مطالبے کا تعلق منفعت سے ہے نہ کہ ضرر سے۔ (المبسوط ۱۳: ۱۵)

شرائط کے سلسلے میں احناف کا قاعدہ کلیہ

اس (معاہدے میں شرائط کے) سلسلے میں حنفی مذہب کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا کرے، جیسے خریدار کی ملکیت کی شرط لگانا، تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ وہ (حق ملکیت) شرط کے بغیر بھی (خریدار کے لیے) ثابت ہے، اور ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا، نیز اس میں کسی ایک فریق کا فائدہ مضمر ہے، یا محل عقد کی کوئی منفعت اس سے وابستہ ہے، جبکہ محل عقد منفعت کا حقدار ہے تو ایسی شرط سے بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غلام فروخت کرتے ہوئے بائع یہ شرط لگا دے کہ مشتری اس غلام کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کرے گا۔ مذکورہ شرط ایک ایسے اضافے پر مشتمل ہے جو عوض سے خالی ہے، (یعنی بائع ثمن کے علاوہ شرط کی صورت میں ایک اضافی فائدہ بھی حاصل کر رہا ہے جس کے بدلے میں وہ مشتری کو کچھ ادا نہیں کر رہا)۔ ایسی شرط اپنے اثرات کے اعتبار سے ربا کے مانند ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی شرط عام طور پر باہمی نزاع کا باعث بنتی ہے جس کی بناء پر عقد اپنے اصل مقصد سے دور ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر شرط ایسا امر ہو جس کا لوگوں میں رواج ہو تو درست ہے، کیونکہ عرف قیاس کے مقابلے میں حجت کا درجہ رکھتا ہے، لیکن اگر شرط ایسی ہو کہ نہ تو عقد اس کا تقاضا کرتا ہے اور نہ فریقین معاہدہ میں سے کسی ایک کا اس میں خصوصی فائدہ ہو تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔ (الهدايه ۳: ۴۸)

معاہدے کی شرطیں

حنبلی نقطۂ نظر

شرائط کی چار قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو تقاضائے عقد ہوتی ہے، جیسے بیع کو (مشتری کے) سپرد کرنے،

خیارِ مجلس اور فوری قبضے کی شرط۔ ایسی شرط کا وجود وعدم برابر ہے۔ اس پر نہ تو کوئی حکم مرتب ہوتا ہے اور نہ یہ عقد پر اثر انداز ہوتی ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق عاقدین (فریقینِ معاہدہ) کے مفاد سے ہوتا ہے، جیسے مدت کی شرط (قیمت کی ادائیگی کے لیے مدت کا تعین)، خیار (حقِ فسخِ معاہدہ) کی شرط، راہن، ضامن یا موضوع معاہدہ مخصوص مطلوبہ صفات کا حامل ہو جیسے اس کا ہنر مند ہونا یا کاتب ہونا۔ ایسی شرائط جائز ہیں اور ان کی پابندی لازم ہے۔ ان دونوں اقسام کے جواز کے بارے میں ہمیں کسی اختلاف رائے کا علم نہیں۔

تیسری قسم وہ ہے جو نہ تو تقاضائے عقد ہے اور نہ وہ ایسا امر ہے جس سے معاہدے کو فائدہ پہنچتا ہے، تاہم وہ مقصودِ عقد کے منافی بھی نہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

اوّلاً: مبیع میں بائع کی منفعت کی شرط لگانا — اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

ثانیاً: معاہدے کے اندر ایک اور معاہدے کی شرط لگانا، جیسے بائع کسی کو کوئی چیز اس شرط پر بیچے کہ مشتری اسے اپنی کوئی چیز بیچے گا، یا اس سے کوئی چیز خریدے گا، یا کوئی چیز اجارے پر دے گا، یا اس کی شادی کرے گا، یا اسے ادھار دے گا۔ یہ شرط فاسد ہے جس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے خواہ یہ شرط بائع عائد کرے یا مشتری۔

چوتھی قسم ایسی شرط ہے جو تقاضائے بیع کے منافی ہو، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جو غالب و راجح حق کو ظاہر کرے، جیسے بائع غلام کو فروخت کرتے ہوئے مشتری پر غلام کی آزادی کی شرط عائد کرے۔ کیا ایسی شرط درست ہے؟ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ درست ہے، اور یہی امام مالک کا مسلک ہے۔ امام شافعی کا ترجیحی نقطۂ نظر بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بریرہ کو خریدا تو اس کے گھر والوں نے ان پر اسے آزاد کرنے اور ولا کی شرط لگائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا کی شرط کو نامنظور کیا اور آزادی کی شرط کو باقی رکھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایسی شرط فاسد ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے، کیونکہ شرط مقصودِ عقد کے منافی ہے۔ یہ اس شرط کے مشابہ ہے جس کی رو سے مشتری پر پابندی عائد کی جائے کہ وہ مبیع کو نہ بیچے۔ (المغنی، ۶:۳۲۰)

مالکی نقطۂ نظر

امام مالکؒ کے نزدیک شرطیں تین قسم کی ہیں:

پہلی قسم ان شرطوں کی ہے جو خود بھی باطل ہیں اور ان سے بیع بھی باطل ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم ان شرطوں کی ہے جو خود بھی جائز ہیں اور ان کے ساتھ بیع بھی۔

تیسری قسم ایسی شرطوں کی ہے جو باطل قرار پاتی ہیں، تاہم بیع باقی رہتی ہے۔

امام مالک کے ہاں شرط کی ایک چوتھی قسم کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ وہ ایک ایسی شرط ہے کہ شرط عائد کرنے والا اگر اس پر اصرار کرے گا تو بیع باطل ہو جائے گی اور اگر اسے ترک کر دے تو بیع درست ہو گی۔ امام مالک کے مسلک میں ان اقسام کے درمیان واضح فرق کرنا ایک مشکل کام ہے، اگر چہ بہت سے فقہاء نے اس کی کوشش کی ہے۔ اس فرق کا تعلق بیع کو فاسد کرنے والے دو عناصر — ربا اور غرر — کے ان شرائط میں عمل دخل اور اس کی کیفیت ونوعیت سے ہے، کہ آیا عمل دخل بہت زیادہ ہے، یا اوسط درجے کا ہے، یا بہت ہی کم ہے۔ اگر بیع میں ان (ربا اور غرر) کا عمل دخل بطور شرط بہت زیادہ ہو تو یہ بیع اور شرط دونوں کو باطل کر دے گا، اور اگر کم ہو تو اس سے بیع اور شرط دونوں جائز قرار پائیں گے اور اگر یہ عمل دخل اوسط درجے کا ہو تو اس سے شرط تو باطل ہو جائے گی، لیکن بیع درست رہے گی۔

ان (امام مالک) کے اصحاب کی رائے میں ان کا موقف دیگر مسالک کے موقف کے مقابلے میں زیادہ درست ہے، کیونکہ اس میں تمام احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے، اور ان کے نزدیک جمع ترجیح سے بہتر ہے۔ مالکی مذہب کے فقہائے متاخرین نے اس سلسلے میں تفصیلات دی ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ ان فقہاء میں میرے دادا، مازری اور باجی شامل ہیں۔ ان اصحاب نے فرمایا ہے کہ مبیع میں شرائط دو قسموں کی ہوتی ہیں:

پہلی قسم میں وہ شرائط داخل ہیں جنہیں بائع کسی چیز کے اپنی ملکیت سے نکل جانے کے بعد عائد کرے، مثال کے طور پر کوئی شخص لونڈی یا غلام بیچے اور شرط عائد کرے کہ جب بھی مشتری اسے آزاد کرے، تو اس کی ولاء (نسبت) بائع کے لیے ہوگی نہ کہ مشتری کے لیے۔ ایسی شرط کے

بارے میں ان فقہاء کا کہنا ہے کہ عقد تو درست ہے، لیکن حدیث بریرہؓ کی بناء پر شرط باطل قرار پاگئی۔

دوسری قسم میں ایسی شرائط شامل میں جنہیں بائع عرصۂ ملکیت کے دوران میں عائد کرے۔ان کی تین اقسام ہیں:

اوّل: مبیع میں اپنی کسی منفعت کی شرط

دوم: مشتری کو مبیع میں کسی خاص یا عام تصرف سے باز رکھنے کی شرط

سوم: مبیع میں کسی تصرف کی شرط

آخرالذکر کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے وہ کوئی ایسا تصرف ہو، جس کا تعلق نیکی یا بھلائی کے کام سے ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا بھلائی کے کام سے تعلق نہ ہو۔

قسم اوّل: جہاں تک مبیع سے منفعت کی شرط کا تعلق ہے، اگر یہ معمولی نوعیت کی ہو، جس سے اصل مبیع میں تصرف کی ممانعت نہیں ہوتی، جیسے بائع گھر اس شرط پر بیچے کہ وہ خود اس میں تھوڑا سا عرصہ، مثلاً مہینہ یا سال رہے گا۔ ایسی شرط حدیث جابرؓ کی رو سے درست ہے۔

قسم دوم: جہاں تک ایسی شرط کا تعلق ہے جو مشتری کو مبیع میں عمومی یا خصوصی تصرف سے روکتی ہو، تو ایسی شرط جائز نہیں، کیوں کہ یہ بیع سے کچھ چیزوں کے استثنا کے باب سے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بائع لونڈی فروخت کرے اور شرط یہ عائد کرے کہ مشتری اس سے ہم بستری نہیں کرے گا اور نہ اسے بیچے گا۔

قسم سوم: جہاں تک مبیع میں تصرف کی شرط کا تعلق ہے، اگر وہ کسی بھلائی کے امر پر مشتمل ہو، جیسے غلام کو آزاد کرنے کی شرط، تو ایسی شرط اسی صورت میں درست ہوگی جب اس پر جلد عمل درآمد کا مطالبہ کیا گیا ہو، لیکن اگر اس میں تاخیر ہو تو بہت زیادہ غرر و جہالت کی بناء پر شرط درست نہ ہوگی۔ امام مالک غلام کو جلد آزاد کرنے کی شرط کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ درست نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع شرط سے منع کیا ہے۔ حدیث جابرؓ میں ان کے نزدیک اضطراب ہے۔ اس کی بعض روایات میں یوں آیا ہے: ''انہوں نے اسے بیچا اور مدینہ تک خود سوار ہونے کی شرط لگائی''۔ اور بعض میں یوں آیا ہے: ''مدینہ تک اس کی سواری (نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کو) عاریتاً دی''۔ امام مالک کے نزدیک یہ معمولی غرر (جہالت) کا معاملہ ہے، چنانچہ انہوں نے کم مدت کی حد تک تو اس کی اجازت دے دی، لیکن زیادہ مدت میں اس کی اجازت نہیں دی۔ جہاں تک امام ابوحنیفہؒ کا تعلق ہے، تو ان کے نزدیک یہ اصلاً ممنوع ہے۔

اس کے برعکس اگر شرط کا تعلق کسی بھلائی کے امر سے نہ ہو، جیسے اس شرط پر فروخت کہ مشتری اسے آگے فروخت نہیں کرے گا تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں۔ ان سے یہ بات بھی منسوب ہے کہ اس سے بیع فسخ ہو جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف شرط باطل ہوگی۔ اگر بائع نے مشتری سے کہا کہ جب بھی میں نے رقم لا دی تو تم مجھے مبیع واپس کردو گے تو یہ امام مالک کے نزدیک درست نہیں، کیونکہ اس طرح یہ معاملہ دو معاملوں — بیع اور قرض — کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اگر وہ (مبیع کا پہلا مالک، یعنی بائع) رقم لے آتا ہے تو یہ معاملہ قرض ہوگا اور اگر نہیں لے کر آتا تو یہ معاملہ بیع ہوگا۔ (بدایۃ المجتھد ۲: ۱۲۱-۱۲۲)

شافعی نقطۂ نظر

ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ شرائط کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جو مقتضائے عقد ہے، جیسے بائع نے کوئی چیز خیار مجلس، مبیع کی (مشتری کو) سپردگی، عیب کی صورت میں واپسی، یا مبیع کے ذمے ثابت شدہ کسی ذمہ داری اور حق کی صورت میں اس کی ادائیگی کی شرط، یا مشتری کے مبیع سے اپنی مرضی کے مطابق منتفع ہونے کی شرط کے ساتھ بیچی۔ ایسی شرائط بلا اختلاف بیع کو فاسد نہیں کرتیں۔ ایسی شرط مقصد معاہدہ کو بیان کرنے اور اسے مستحکم کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

دوسری قسم: وہ ایسی شرط عائد کرے جس کا عقد عموماً تقاضا نہیں کرتا، تاہم اس میں ایک فریق کا مفاد ہوتا ہے جیسے تین دن کے اندر معاہدے کو فسخ کرنے، یا باقی رکھنے کا حق، یا مدت ادائیگی قیمت، رہن، ضامن اور گواہی جیسی شرائط، یا یہ شرط کہ فروخت کردہ غلام درزی یا کاتب ہو۔ ایسی شرط سے بھی بلا اختلاف معاہدہ باطل نہیں ہوتا۔ ایسی شرط کے ساتھ معاہدہ جائز ہے اور امر مشروط ثابت ہے۔

☆الضرر یزال ☆ ضرر (نقصان) کا ازالہ کیا جائے گا☆

تیسری قسم: وہ ایسی شرط لگائے جس سے کوئی موجب نزاع غرض وابستہ نہ ہو، جو نزاع کا باعث بن سکتی ہو، جیسے یہ شرط کہ وہ کھانے میں صرف ہریسہ (کھانے کی ایک قسم) کھائے گا، یا صرف سوتی کپڑا پہنے گا۔ امام الحرمین کا کہنا ہے کہ اسی قبیل کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ قیمت پر گواہ ٹھہرانے کی شرط لگائے اور گواہ بھی متعین کردے۔ ہم کہتے ہیں کہ گواہ متعین کرنے سے متعین نہ ہوں گے۔ ایسی شرط سے معاہدہ فاسد نہیں ہوتا، صرف شرط لغو ٹھہرتی ہے، باقی بیع درست رہتی ہے۔ یہی مفتیٰ بہ مذہب ہے۔ امام الحرمین، غزالی اور ان کے پیروکاروں نے اسی رائے کو قطعی قرار دیا ہے۔ متولی کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی ایسے غیر لازم امر کی شرط لگائے جیسے یہ شرط کہ وہ نماز پڑھے، یا نفلی روزے رکھے، یا فرض نماز اول وقت میں ادا کرے تو بیع باطل ہو جائے گی، کیونکہ وہ دوسرے کو ایسے امر کا پابند بنا رہا ہے جو اس پر لازم نہیں۔ رافعی کہتے ہیں کہ اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

چوتھی قسم: وہ کوئی غلام یا لونڈی اس شرط پر بیچے کہ مشتری اسے آزاد کردے گا۔ اس مسئلے میں تین اقوال ہیں۔ درست اور مشہور قول جس کی امام شافعی نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے اور مصنف اور دیگر اصحاب (فقہائے شافعیہ) کی رائے میں بھی وہ حتمی ہے، یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اور شرط لازم ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔

پانچویں قسم: کوئی ایسی شرط عائد کرے جو تقاضا و مقصد عقد کے منافی ہو، جیسے اس شرط پر بیچنا کہ مشتری اسے (مبیع کو) آگے فروخت نہیں کرے گا، یا اس سے نفع نہیں اٹھائے گا، یا اسے آزاد نہیں کرے گا، یا اس کا قبضہ نہیں لے گا، یا اسے کرائے پر نہیں دے گا، یا اس سے ہم بستری نہیں کرے گا، یا اسے ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، یا یہ کہ بائع وہ چیز مشتری کو سپرد نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگائے کہ وہ (مشتری) بائع کو کوئی چیز بیچے، یا اس سے کوئی چیز خریدے، یا اسے (بائع کو) قرض دے، یا کوئی چیز کرائے پر دے، یا اگر وہ (بائع) کوئی چیز نقصان پر بیچے تو مشتری اس کے خسارے کو پورا کرے، یا یہ شرط کہ مشتری اگر مبیع بیچے تو صرف بائع ہی کو بیچے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر شرطوں سے بیع باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ سب تقاضائے عقد کے خلاف ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ برابر ہے کہ وہ ایک شرط عائد کرے، یا دو شرطیں۔ (المجموع ۷: ۳۶۷-۳۶۸)

ناجائز اور ممنوعہ بیوع

بیوعِ غرر (غیر یقینی امور پر مشتمل سودے)

غرر کا مفہوم

مالکی نقطۂ نظر

معاہدات بیع میں غرر کا مطلب ابہام اور لاعلمی ہے جس کا تعلق کئی امور سے ہوتا ہے۔ موضوع معاہدہ کے تعین سے متعلق لاعلمی، ثمن اور مبیع کے ضروری اوصاف سے لاعلمی، اس کی مقدار اور وقت ادائیگی، اگر ادائیگی اور سپردگی مؤخر ہو، کے بارے میں ابہام، مبیع کے وجود کے بارے میں ابہام، بائع کی اس چیز کو مشتری کے سپرد کرنے کی صلاحیت کے بارے میں ابہام، اس چیز کے باقی رہنے کے بارے میں ابہام۔ (بداية المجتهد ۲: ۱۱۱)

حنبلی نقطۂ نظر

غرر وہ جہالت وابہام ہے جس کے نتیجے میں بائع اپنے مبیع کی سپردگی پر قدرت نہ رکھتا ہو، خواہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم۔ (إعلام الموقعين ۱: ۱۵۸)

غرر ایسا سودا ہے جس کا انجام نامعلوم ہو (کہ آیا سودے کی تکمیل ہوگی یا نہیں؟)۔ ایسا سودا جوئے کی ایک قسم ہے۔ اگر کسی شخص نے مفرور غلام یا بھاگے ہوئے گھوڑے کا سودا کیا تو گویا اس نے خطرے پر مشتمل بیع کی۔ اسی صورت میں احتمال ہے کہ مشتری مبیع کو اس کی حقیقی قیمت سے کم پر خریدے۔ ایسی خرید وفروخت کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر مشتری کو وہ غلام یا گھوڑا مل گیا تو بائع مشتری سے کہے گا کہ تو نے میرے ساتھ جوا کھیلا اور میرا سامان مجھ سے معمولی قیمت پر لے لیا،

اور اگر مشتری کو وہ نہیں ملتا تو وہ بائع سے کہے گا کہ تو نے میرے ساتھ جوا کھیلا اور مجھ سے ناحق پیسے لے لیے، ان کے بدلے میں مجھے تو نے کچھ نہیں دیا۔ یہ جوا بازی باہمی عداوت وبغض پر منتج ہوگی، مزید براں یہ عمل دوسروں کے مال ناجائز طریقے سے کھانے کے مترادف ہے جو صریح ظلم ہے، چنانچہ بیع الغرر اپنے اندر ظلم اور بغض وعداوت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبل الحبلۃ، ملاقیح ومضامین، بیع السنین اور بیع ملامسہ ومنابذہ سے جو منع فرمایا ہے، تو اس کی وجہ ان معاملات کے اندر غرر کے عنصر کا ہونا ہے۔ (القواعد النورانیة الفقهیة ۱۳۸)

غرر (غیر یقینیت) اور جہل (لاعلمی) میں فرق

علماء ان دونوں اصطلاحات — غرر اور جہل — کے استعمال میں بہت توسع سے کام لیتے ہیں۔ وہ ایک کو دوسری کی جگہ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ غرر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسی اشیاء کی بیع ہے جن کے بارے میں فریقین معاہدہ میں سے کوئی نہیں جانتا کہ آیا وہ چیز مشتری کے ہاتھ آئے گی یا نہیں، جیسے ہوا میں پرندے اور پانی میں مچھلی، لیکن وہ چیز جس کے حصول کے بارے میں فریقین کو علم ہو، صرف اس کی کیفیت ونوعیت نامعلوم ہو تو وہ مجہول ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میری جیب یا تھیلے میں جو چیز ہے، وہ میں تمہیں بیچتا ہوں۔ اب یہاں چیز کے وجود میں تو کوئی ابہام نہیں۔ ابہام یہ ہے کہ وہ چیز ہے کیا؟ پس غرر اور جہل میں سے، ایک دوسرے سے زیادہ عام ہے، اور ایک طرح سے خاص بھی ہے کہ کسی سودے میں دونوں ایک ساتھ بھی ہو سکتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی، (یعنی ایک ہی سودے میں غرر وجہل دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی ہو سکتے ہیں)۔ ایک ایسا معاملہ جس میں صرف غرر کا عنصر ہو، جہل (لاعلمی) اس میں شامل نہ ہو، ایک معلوم ومتعین بھگوڑے غلام کی فروخت ہے۔ غرر کا عنصر اس بیع میں یہ ہے کہ فریقین کو یہ پتا نہیں کہ غلام ملے گا یا نہیں۔

جہل (اوصاف کے بارے میں لاعلمی) جو غرر کے بغیر ہو، کی مثال ایک پتھر کی خرید ہے، جسے مشتری نے دیکھا ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ محض شیشہ ہے یا یاقوت۔ مشتری کا اس پتھر کا معائنہ اسے یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ وہ یہ چیز حاصل کر لے گا۔ اس پہلو سے اس

میں کوئی غرر اور ابہام نہیں، لیکن وہ اس کی نوعیت نہیں جانتا، اس طرح یہ اب جہل کا معاملہ بن گیا ہے۔ (الفروق ۳: ۲۶۵)

غرر کی اقسام

غرر کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ کسی چیز کا معدوم ہونا، جیسے حاملہ جانور کا بچہ

۲۔ جس کے سپرد کرنے پر بائع قادر نہ ہو، جیسے بھاگا ہوا جانور

۳۔ ایک نامعلوم چیز، یا ایک ایسی متعین چیز جس کی نوعیت اور مقدار نامعلوم ہو، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تمہیں ایک غلام بیچا، یا جو کچھ میرے گھر میں ہے وہ میں نے تمہیں بیچا، یا میں نے تمہیں اپنا غلام بیچا۔

جہاں تک جنس ومقدار کے لحاظ سے متعین ومعلوم اور نوعیت وصفت کے لحاظ سے نامعلوم چیز کا تعلق ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں وہ کپڑا بیچا جو میری بغل کے نیچے ہے، یا میں نے تمہیں وہ غلام بیچا جو میری ملکیت میں ہے۔ یہ ایک معروف اختلافی مسئلہ ہے، اسے غائب چیز کی بیع کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام احمد سے تین اقوال منسوب ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع کسی طور پر درست نہیں۔ یہ امام شافعی کے جدید قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بیع جائز ہے، چاہے چیز کے اوصاف بیان نہ کیے جائیں۔ ایسی صورت میں خریدار کو مبیع کے دیکھنے پر سودے کو فسخ کرنے، یا برقرار رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ایک روایت یہ بھی ہے کہ مشتری کو اختیارِ فسخ وقبول حاصل نہیں ہوگا۔ تیسرا قول جو مشہور قول سمجھا جاتا ہے، یہ ہے کہ بیانِ وصف کے ساتھ بیع درست ہے، وگرنہ نہیں۔ یہ امام مالک کے قول کے مطابق ہے۔

(القواعد النورانية الفقهية ۱۳۹-۱۴۰)

غرر کی مختلف صورتیں

غرر (غیر یقینیت اور ابہام) کی دس صورتیں ہیں:

۱۔ فروخت شدہ چیز کو خریدار کے سپرد کرنے میں دشواری، جیسے کوئی شخص گم شدہ جانور کو بیچے یا حاملہ

جانور کے پیٹ میں بچے کو فروخت کرے، جب کہ حاملہ جانور اس سودے کا حصہ نہ ہو۔

۲- قیمت یا مبیع سے متعلق لاعلمی، جیسے کوئی شخص خریدار سے کہے کہ جو میرے تھیلے میں ہے، وہ میں تمہیں بیچتا ہوں۔

۳- مبیع یا ثمن کے ضروری اوصاف سے لاعلمی، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تمہیں کپڑے کا ایک ٹکڑا جو میرے گھر میں ہے، بیچتا ہوں، یا وہ کوئی چیز اس طور پر بیچے کہ نہ تو خریدار نے اس چیز کو دیکھا ہو، اور نہ بائع نے اس کے بارے میں ضروری معلومات خریدار کو فراہم کی ہوں۔

۴- مبیع یا ثمن کی مقدار سے متعلق لاعلمی، جیسے کوئی شخص چیز فروخت کرتے وقت قیمت کا واضح طور پر تعین کرنے کی بجائے یہ کہہ دے کہ میں یہ چیز مارکیٹ میں رائج قیمت پر، یا آج بازار میں اس کی جو قیمت ہے، اس پر فروخت کرتا ہوں۔

۵- معاہدے کی تکمیل کے وقت کے بارے میں لاعلمی، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں شخص کمرے میں داخل ہوا، یا فلاں شخص مر گیا تو میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کردی۔

۶- ایک ہی سودے میں دو سودے کرنا، جیسے کوئی شخص ایک ہی چیز دو مختلف قیمتوں پر فروخت کرے۔ ان میں سے ایک نقد قیمت ہو اور دوسری ادھار، یا وہ دو مختلف چیزوں کو ایک قیمت پر بیچے۔

۷- ایک ایسی چیز کی بیع جس کا باقی رہنا مشکوک ہو، جیسے ایک بیمار جانور کی فروخت۔

۸- بیع الحصاۃ: کنکری پھینک کر سودا کرنا۔

اس بیع کی صورت یہ ہے کہ بائع کنکریاں ہوا میں پھینکے اور خریدار سے یہ کہے کہ جس مالِ تجارت پر یہ کنکریاں پڑیں وہ اتنی قیمت پر تمہارا ہوا۔ کنکریاں پھینکنے کے ساتھ بیع ناقابل فسخ ہو جاتی ہے۔

۹- بیع المنابذہ— اس بیع میں فروخت کنندہ خریدار سے کہتا ہے کہ جیسے ہی یہ کپڑے کا تھان (یا کوئی دوسری چیز) میں نے تمہاری طرف پھینک دیا تو اتنی قیمت پر یہ سودا ہو گیا۔ خریدار کو کپڑا (یا وہ چیز) دیکھ کر بیع کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

۱۰- بیع الملامسۃ— کسی تجارتی مال یا کپڑے پر آنکھیں بند کر کے ہاتھ لگانا اور یہ طے کر لینا کہ

جس مال پر ہاتھ لگا وہ اتنے کا ہوا۔ (القوانین الفقھیہ ۲۸۲-۲۸۳)

پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا

مالکی نقطہ نظر

پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں۔ اس میں انگور، کھجور، ہر قسم کے پھل، سبزیاں اور اناج کی تمام فصلیں آ جاتی ہیں۔ پھلوں اور فصلوں کی پختگی کے مختلف مفہوم ہیں۔ پھلوں کی پختگی سے مراد یہ ہے کہ وہ پیلے یا سرخ ہو جائیں۔ انگوروں کی پختگی یہ ہے کہ ان کا رنگ سیاہ ہو جائے، نیز ان میں مٹھاس آ جائے۔ باقی پھلوں اور سبزیوں کی پختگی یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں، کھیتی کی پختگی یہ ہے کہ فصل خشک ہو جائے اور پودوں کا تنا سخت ہو جائے۔

پھل اگر قابل استعمال ہوں تو انہیں پکنے سے پہلے فروخت کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ سودا ہونے کے فوراً بعد انہیں درخت سے اتار لیا جائے گا، لیکن اگر سودا اس شرط کے ساتھ ہوا کہ پھل درخت پر ہی رہیں گے، (یعنی انہیں پختہ ہونے پر ہی اتارا جائے گا) تو بیع جائز نہیں۔ اگر فریقین نے فوری طور پر کاٹ لینے، یا باقی رکھنے کے سلسلے میں خاموشی اختیار کی تو اس بارے میں دو اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اگر خریدار نے پختگی ظاہر ہونے سے پہلے کاٹنے کی شرط پر سودا کیا تھا، پھر بعد میں اس نے انہیں درخت پر باقی رکھا تو بیع فسخ ہو جائے گی، اور اگر اس نے اس سودے کے بعد زمین خرید لی تو کھیتی کو باقی رکھنا جائز ہوگا۔ (القوانین الفقھیہ ۲۶۱)

حنبلی نقطہ نظر

پکنے سے پہلے پھلوں کی فروخت تین قسم کی ہوسکتی ہے:

پہلی قسم یہ ہے کہ پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط پر سودا ہو۔ یہ بیع بالاتفاق باطل ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پختگی سے پہلے پھلوں کی فروخت سے منع کیا ہے۔ آپؐ نے بائع اور مشتری دونوں کو اس سے منع فرمایا (متفق علیہ)۔ ممانعت کا لازمی تقاضا ہے کہ جس عمل سے منع کیا جا رہا ہے، وہ فاسد ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ سودا پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط پر ہو۔ یہ بالاجماع درست ہے،

کیونکہ ممانعت محض اس اندیشے کی بناء پر ہے کہ خریدار کے وصول کرنے سے پہلے پھل کسی آفت کے نتیجے میں تلف ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا، جب تک وہ پختہ نہ ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''دیکھو! اگر اللہ تمہیں پھل سے محروم کردے تو کس بناء پر تمہارے لیے اپنے بھائی کا مال لینا درست ہوگا؟ (صحیح بخاری)۔'' اس کے برعکس جو پھل فوری طور پر درخت سے اتار لیا جاتا ہے، وہ مذکورہ خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے، چنانچہ اس کی بیع جائز تصور ہوتی ہے۔ اس طرح کا پھل (اپنے حکم کے لحاظ سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ پکنے والا پھل۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سودا پھلوں کے کاٹنے، یا باقی رکھنے کی کسی شرط کے بغیر ہو۔ ایسی بیع امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے میں یہ جائز ہے، کیونکہ معاہدے کو مطلق اور غیر مشروط رکھنا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ پھلوں کو کاٹ لیا جائے، یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ کاٹنے کی شرط معاہدے میں رکھی گئی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ممانعت ان کی پختگی سے پہلے بیع کی ہے۔ ممانعت کے الفاظ یہ بات ظاہر کر رہے ہیں کہ معاہدہ ایک ایسے مفہوم کے بارے میں ہے جو اس وقت مفقود ہے تاکہ ممانعت کا تصور کیا جا سکے۔ ہم (اس کے جواب میں) یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنے سے مطلقاً منع کیا ہے۔ یہیں اس میں وہ امر آ گیا ہے جو محل نزاع ہے۔ جہاں تک سیاق حدیث سے ان کے استدلال کا تعلق ہے تو وہ خود ان کے اپنے وضع کردہ اس اصول کو توڑتا ہے کہ معاہدہ اگر مطلق اور خالی از شرط ہو تو اس سے مراد پھلوں کا فوری طور پر کاٹ لینا ہوتا ہے۔ درست بات یہ ہے کہ ان کا مذکورہ استدلال ہمارے موقف کو ثابت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاہدے کا مطلق اور خالی از شرط ہونے کا مفہوم پھلوں کو درخت پر باقی رکھنا ہے، یعنی اس طرح کے خالی از شرط معاہدے کی تفسیر یہ کی جائے گی کہ اس میں پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط رکھی گئی ہے، چنانچہ اس طرح کا معاہدہ ممانعت کے دائرے میں آئے گا۔ (المغنی ٦: ١٤٨-١٥٠)

☆ الغرم بالغنم ☆ خسارہ نفع کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے ☆

معدوم اشیاء کی بیع

حنفی نقطۂ نظر

معقود علیہ کی شرائط کی متعدد انواع ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز موجود ہو، لہٰذا کسی معدوم چیز، یا ایسی چیز کی بیع جس کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہو، درست نہیں، جیسے جانور کے پیٹ کے اندر بچے کے بچے کی فروخت، مثلاً بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے اس جانور کے بچے کے بچے کو فروخت کر دیا۔ اسی طرح کسی جانور کے حمل کو فروخت کرنا ہے۔ اس سودے کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ پیٹ کے اندر بچے کی بیع ایک معدوم شے کی بیع ہے اور حمل کی بیع میں اس کے معدوم ہونے کا احتمال ہے۔ اسی طرح جانور کے تھنوں میں دودھ کو فروخت کرنے کا حکم ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۳۸)

حنبلی نقطۂ نظر

قرآن وسنت میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ معدوم چیز کی بیع جائز نہیں۔ اس طرح کے سودوں کے سلسلے میں رہنما حدیث یہ ہے: ''جو تمہارے پاس نہیں ہے اسے فروخت نہ کرو''۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس طرح کے سودے کی ممانعت کی وجہ غرر (غیر یقینیت) ہے نہ کہ چیز کا معدوم ہونا۔ یہاں غرر یا غیر یقینیت یہ ہے کہ فروخت کنندہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، مثال کے طور پر گم شدہ اونٹ کی بیع۔ اس صورت میں اگر علت یا سبب ممانعت دور ہو جائے تو ممانعت بھی ختم ہو جائے گی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ شارع نے اجارے اور مساقات کی اجازت دی ہے، کیونکہ یہ دونوں غیر یقینیت کے عنصر سے خالی ہیں۔ اس کے مقابلے میں گم شدہ اونٹ کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، حالانکہ وہ موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سودے میں (سپردگی کے حوالے سے) غیر یقینیت ہے۔ اسی طرح شارع نے گم شدہ اونٹ کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے، کیونکہ مالک اسے کرائے پر لینے والے فریق کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ اصول سارے عقود معاوضات پر منطبق ہوگا، صرف بلا بدل معاہدات جیسے وصیت، اس سے مستثنیٰ ہوں گے، کیونکہ غیر یقینیت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی، چنانچہ وہ غیر یقینیت کے

باوجود بھی درست قرار پاتے ہیں۔ اس اصول کی روشنی میں ایک غیر موجود چیز کی وصیت جائز ہوگی۔ (اِعلام الموقعین،۱:۳۸۵)

عقود معاوضہ پر غرر کا اثر

مالکی نقطۂ نظر

امام مالکؒ نے اس بارے میں کہ کون سے معاملات میں غرر اور لاعلمی سے اجتناب کیا جانا چاہیے اور کن میں اجتناب ضروری نہیں، تفصیل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک معاملات وتصرفات تین قسم کے ہوتے ہیں:

اوّلاً: ایسے معاملات جن میں کسی چیز یا خدمت کا کوئی عوض لیا جائے۔ اس طرح کے معاملات میں غرر لاعلمی سے لازماً بچنا چاہیے، ماسوا ایسی صورت کے جہاں غرر اور لاعلمی کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

ثانیاً: ایسے معاملات جن کا مقصد دوسرے کے ساتھ محض نیکی اور احسان ہو، کوئی مالی منفعت نہ ہو، ان کی مثال صدقہ اور ہبہ ہے۔ صدقہ اور ہبہ جیسے معاملات اگر کسی غرر و لاعلمی کی بناء پر تکمیل کو نہ بھی پہنچ سکیں، تب بھی معاملے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا قصد کیا گیا ہے، اس نے صدقے یا ہبے کے لیے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا تھا، اور چیز کے نہ ملنے کی صورت میں اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف پہلی قسم کے تصرفات ومعاملات میں غرر و لاعلمی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہاں اس نے چیز کی قیمت ادا کی ہے۔ اگر وہ چیز اسے نہیں ملتی تو اس کی رقم ضائع چلی جاتی ہے۔ حکمت شرع کا تقاضا یہ ہے کہ اس دوسری قسم کے معاملات میں غیر یقینیت اور لاعلمی کو روکا جائے۔ جہاں تک احسان اور بھلائی کے کاموں کا تعلق ہے ان میں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کی جائے، ایسے کاموں کو وسعت دی جائے، چاہے ان میں غیر یقینیت اور لاعلمی کا عنصر ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے معاملات میں سخت گیر رویے کا مطلب ان کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ اگر کسی نے اپنا بھاگا ہوا اونٹ کسی کو ہبہ کیا تو اس میں دونوں احتمال موجود ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے ہبہ کیا گیا ہے، اسے اونٹ مل جائے اور اس کے لیے اونٹ سے فائدہ

حاصل کرنا ممکن ہو جائے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اسے نہ مل سکے۔ دوسری صورت میں بھی موہوب لہ کو کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اس نے اس کے حصول کے لیے کوئی رقم خرچ نہیں کی۔

ثالثاً: وہ معاملات جن میں مالی معاوضہ اور احسان دونوں کا تصور موجود ہو جیسے معاہدۂ نکاح۔

(الفروق ۱: ۱۵۰)

بیوع ربا (ربا پر مشتمل سودے)

ربا الفضل

حنفی نقطۂ نظر

امام قدوری فرماتے ہیں کہ کیل و وزن کے ساتھ فروخت ہونے والی ہر چیز میں ربا حرام ہے، بشرطیکہ وہ اپنی ہی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کی جائے۔ ہمارے نزدیک حرمت کی علت کیل اور وزن کے ساتھ محل مبادلہ اشیاء کا متحد الجنس ہونا ہے۔ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ علت مقدار اور اتحاد جنس ہے اور یہ زیادہ جامع قول ہے۔ حرمت کی بنیاد مشہور حدیث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گندم گندم کے عوض برابر برابر اور دست بدست فروخت کرو اور زیادتی سود ہے''۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی مذکورہ شرائط کے ساتھ چھ چیزیں شمار فرمائیں، یعنی گندم، جو، کھجور، نمک، سونا اور چاندی۔

حکم حرمت کی علت ہمارے نزدیک وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ان میں سے ماکولات (خوردنی اشیاء، گندم، جو، نمک، کھجور) میں جاری علت ان کا خوردنی ہونا ہے، اور ثمنیات (سونا اور چاندی) کی علت ان کی ثمنیت ہے۔ ان کا متحد الجنس ہونا بھی شرط ہے، (یعنی فروخت کی جانے والی اشیاء چاہے ماکولات ہوں، یا قیمت بننے والی اشیاء، اگر ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہوں تو ان کی باہمی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ سود شمار ہوگی) اور برابری کے ساتھ بیع کرنا ہی سود سے اجتناب کا راستہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سودی اموال میں حرمت ہی اصل ہے، کیونکہ شارع نے اس طرح کے سودے کے جواز کے لیے دو چیزوں کی صراحت کی ہے، فوری قبضہ (دست بدست سودا) اور وزن و مقدار میں برابری۔ ان دونوں شرطوں

میں سے ہر شرط مال کی اہمیت اور اس کے تقدس کو ظاہر کرتی ہے، جیسا کہ نکاح میں گواہی شرط ہے جو نکاح کی اہمیت وعظمت کو ظاہر کرتی ہے۔ مذکورہ معاملے میں بھی ضروری ہے کہ علت ایسی ہو جو مال کی اہمیت وعظمت کو ظاہر کرے اور وہ ماکولات (گندم، جو، کھجور، نمک) کا قابل خوردنی ہونا ہے، کیونکہ اس پر انسانی زندگی کی بقا کا دارومدار ہے اور ثمنیات (سونا، چاندی) میں وہ علت ثمنیت ہے، کیونکہ اس پر اموال کی بقا کا انحصار ہے اور انسانی مفاد بھی مال کے ساتھ وابستہ ہے۔ عوضین کا جنس کے لحاظ سے متحد ہونا (جو احناف کی بیان کردہ علت ہے) ان معنوں میں مؤثر نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے اسے شرط قرار دیا اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکم کا انحصار شرط پر ہوتا ہے۔ ہم (شوافع کے استدلال کے جواب میں) یہ کہتے ہیں کہ حدیث نے ان اموال کے مبادلے میں برابری کو بطور شرط واجب قرار دیا ہے جو حدیث کا بنیادی مقصد ہے۔ اسی سے بیع کی حقیقت جو مال کے ساتھ مال کے تبادلے سے عبارت ہے، ثابت ہوتی ہے۔ یہ مماثلت اور برابری کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، یا اس کا مقصود بیع کے فائدے کی تکمیل ہے، چنانچہ ہاتھوں ہاتھ سپرد کر دینے کو برابری کی بیع کے ساتھ وابستہ کر دیا، اور مماثلت کے معدوم ہونے کی صورت میں حرمت ربا کو لازم کر دیا۔

یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ دو چیزوں کے درمیان مماثلت و برابری کا مفہوم صورت ومعنی میں برابری ہوتا ہے۔ معیار (کیل و وزن) میں برابری صوری برابری ہے اور جنس میں مماثلت و برابری معنوی برابری کی حیثیت رکھتی ہے۔ مقدار و جنس کی اس برابری میں خلل یا کمی بیشی سے ہی ربا کے معنی ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ ربا اس مشروط اضافے کا نام ہے جو فریقین معاہدے میں سے کسی ایک کو بلاعوض دیا جائے، (اس کا مطلب یہ ہے کہ مماثلت و برابری کا اعتبار صورت ومعنی کے لحاظ سے ہوگا)۔ مماثلت و برابری میں وصف کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ عرف میں وصف کی کمی بیشی کو تفاوت شمار نہیں کیا جاتا۔ اگر وصف کا تفاوت قابل اعتبار قرار دیا جائے تو خرید وفروخت کا راستہ بند ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان اشیاء میں (جن کی حرمت ربا بیان ہوئی) چیز کا عمدہ یا ناقص ہونا برابر ہے“۔ (الھدایہ، کتاب البیوع ۱: ۶۱)

حنبلی نقطۂ نظر

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ربا الفضل ہم جنس اشیاء میں واقع ہوگا۔ سعید بن جبیر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی دو چیزیں جن سے انتفاع ایک ہی نوعیت کا ہو (چاہے وہ مختلف الجنس ہوں)، ان کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، جیسے گندم کا جو کے ساتھ تبادلہ اور کھجور کا کشمش کے ساتھ تبادلہ اور جوار کا باجرے کے ساتھ تبادلہ۔ ان کا فائدہ تقریباً ایک ہی طرح کا ہوتا ہے، لہٰذا یہ دونوں ایک ہی جنس شمار ہوں گی، لیکن یہ قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: ''سونے کو چاندی کے ساتھ جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ مبادلہ دست بدست ہو''۔ اس حدیث کی روشنی میں سعید بن جبیر کا یہ قول قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قول اس بناء پر بھی غلط ہے کہ سونے اور چاندی کی علت ایک ہے، تاہم تفاضل کے ساتھ ان کا مبادلہ جائز ہے۔ اصحاب علت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت ایک ہی ہے، اور دیگر چار اشیاء کی علت بھی ایک ہے۔ تاہم ان علتوں کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے اس سلسلے میں تین روایات مروی ہیں جن میں سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ سونے چاندی میں علت وزن ہے اور دیگر چار اشیاء میں کیل، (یعنی یہ پیمانے سے خریدی اور بیچی جانے والی اشیاء ہیں)۔ اس روایت کو امام احمد سے ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ خرقی، ابن ابی موسیٰ اور بہت سے دیگر لوگوں نے اسے ذکر کیا ہے۔ نخعی، زہری، ثوری، اسحاق اور اصحاب الرائے کی بھی یہی رائے ہے۔ اس روایت کی رو سے ربا کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو وزن یا ناپ سے فروخت کی جاتی ہو۔ جب ایسی اشیا کو ہم جنس چیز کے ساتھ فروخت کیا جائے، چاہے وہ ماکولات میں سے ہوں یا نہ ہوں، جیسے دانے، اون، ہلدی، مہندی، لوہا، تانبا وغیرہ۔ غذائی اجناس جنہیں ناپا یا وزن نہیں کیا جاتا، ان میں ربا نہیں ہوگا، جیسا کہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے اور ایک صاع کو دو صاع کے بدلے نہ بیچو کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ربا میں مبتلا ہو جاؤ گے''۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ''اے اللہ کے

رسولؐ! آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک شخص ایک گھوڑے کو بہت سے گھوڑوں کے بدلے فروخت کردے، یا اونٹنی کو اونٹ کے بدلے فروخت کردے تو!'' آپ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ دست بدست ہو''۔ اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چیز وزن کی جاتی ہو، اسے برابر برابر فروخت کیا جائے، اگر دونوں ایک ہی نوع کی ہوں، اور جو ناپی جاتی ہو، اسے برابر سرابر فروخت کیا جائے اگر دونوں ایک ہی نوع کی ہوں''۔ دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے۔

(المغنی ۶: ۵۴-۵۵)

بیع العینہ

اگر بائعنے کوئی چیز ادھار پر بیچی تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے دوبارہ (اسی خریدار سے) قیمت فروخت سے کم قیمت پر خرید لے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی سامان ادھار پر بیچا، پھر اسے نقد قیمت پر اس سے کم قیمت پر خرید لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ یہ ابن عباسؓ، عائشہؓ، حسنؒ، ابن سیرین، شعبی، نخعی، ابوالزناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، ثوری، اوزاعی، مالک، اسحاق اور اہل الرائے کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ (مشتری) اس ثمن پر بائع کے علاوہ کسی اور کو بیچ سکتا ہے، تو بائع کو بھی بیچ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کے لیے اسی پہلی قیمت پر بیچنا جائز ہے تو اس سے کم پر بیچنا بھی جائز ہے۔ ہماری دلیل عالیہ بنت ایفع بن شرحبیل کی روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں، زیدؓ بن ارقم کی بیوی اور ان کی ام ولد سب حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ زیدؓ بن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ انہوں نے زیدؓ بن ارقم کو ایک غلام آٹھ سو درہم میں ادھار پر فروخت کیا، پھر انہی سے وہ غلام چھ سو درہم میں نقد خرید لیا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''بہت بری ہے وہ شے جو تو نے فروخت کی اور بری ہے وہ شے جو تو نے خریدی۔ میری طرف سے زیدؓ بن ارقم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا جہاد باطل (مسترد) کردیا ہے، یہاں تک کہ وہ توبہ کریں''۔ اسے امام احمد اور امام سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ ظاہر

بات ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جواتنی سخت وعید سنائی ہے۔اس کی بنیاد لازماً یہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اس روایت کی حیثیت یہ ہوگی کہ گویا یہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔اس سودے کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے، یہاں پر سامان تجارت کو درمیان میں ڈال کر اسے بیع کی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔سودے کا حقیقی مقصد ایک ہزار کو ایک متعین مدت تک پانچ سو کے عوض بیچنا ہے۔

(المغنی ٦: ٢٦٠-٢٦١)

بیع العربون

''عربون'' یا بیعانہ دے کر کوئی چیز خریدنے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خرید لے اور بائع کو کچھ رقم دے دے کہ اگر ہمارے درمیان سودا طے پا گیا تو یہ پیشگی رقم قیمت میں سے محسوب کر لی جائے، دوسری صورت میں یہ رقم بائع کی ہو جائے گی۔ ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ شرط نفس معاہدہ کا حصہ ہو تو یہ بیع باطل ہوگی، اور اگر اس نے معاہدے سے پہلے یہ بات کہی، معاہدے کے دوران میں اس کا ذکر نہیں کیا تو یہ بیع درست ہے۔

عربون یا بیعانہ (کی شرعی حیثیت) کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہمارا (شافعی) مسلک جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہ ہے۔اگر شرط معاہدے کا حصہ ہو تو بیع ناجائز ہے، ابن المنذر نے ابن عباسؓ، حسنؒ، مالکؒ، اور ابو حنیفہؒ کی بھی یہی رائے نقل کی ہے۔ابن المنذر کہتے ہیں کہ ہم ابن عمرؓ اور ابن سیرینؒ کے اقوال کی بنا پر اسے جائز کہتے ہیں۔ نافع بن عبدالحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے ایک گھر چار ہزار میں اس شرط پر خریدا کہ اگر عمرؓ اس سودے پر راضی ہو گئے تو ٹھیک، ورنہ صفوان بن امیہ چار سو کے مالک ہو جائیں گے۔ (جو کہ بیعانہ کے طور پر انہیں دیے گئے تھے)۔ابن منذر کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے سامنے حدیث عمرؓ بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں اس کے بعد کیا کہہ سکتا ہوں، (یعنی اس کے بعد اس کے جواز میں کیا شبہ رہ جاتا ہے)۔اسے ابن المنذر نے نقل کیا ہے۔خطابی کہتے ہیں کہ اس بیع کے جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مالکؒ، شافعیؒ نے مذکورہ حدیث کی بنا

پر اسے باطل قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کے عدم جواز کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ایک فاسد شرط پائی جاتی ہے، نیز اس میں غیر یقینیت کا عنصر ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسروں کا مال ناحق کھانے کے مترادف ہے۔ بیع عربون (بیعانے والا سودا) اہل الرائے کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا میلان بھی اسی جانب ہے۔

(المجموع ۷: ۳۳۵)

(جاری ہے)

فقہ پر امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی (م ۶۸۶ھ) کی کتاب

☆

اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب

کا اردو ترجمہ شائع ہو گیا

☆

مترجم: محمد ظہیر الدین بھٹی

☆

ناشر: شیخ زاید اسلامک ریسرچ سینٹر۔ جامعہ کراچی